کتاب : مسلم نشاۃ ثانیہ-اساس اور لائحہ عمل

مصنف : ڈاکٹر محمد امین

ناشر : بیت الحکمت، لاہور

سالِ اشاعت : ۲۰۰۴ء

صفحات : ۴۰۷

قیمت : ۲۰۰ روپے

تبصرہ نگار : محمد احمد*

آج مسلم اُمہ جن حالات و واقعات سے دوچار ہے وہ ہر ذی شعور مسلمان کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ یقیناً جب دنیا کے مختلف خطوں سے مظلوم مسلمانوں کی چیخ و پکار سنائی دیتی ہے تو جہاں اس اندوہناک کیفیت پر دل خون کے آنسو روتا ہے تو وہاں مسلمانوں کے عروج کی تاریخ بھی نظروں کے سامنے گھومنے لگتی ہے، مسلمانوں کی عسکری فتوحات کے ساتھ ساتھ اُن کی علمی برتری اور ثقافتی تفوق کا دور بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یورپ کا وہ زمانہ جسے قرونِ مُظلمہ کا دور کہا جاتا ہے، مسلمان اُس وقت تہذیب و ثقافت کے علمبردار تھے اور اُن کی درسگاہیں علم و عمل کے نور سے جگمگا رہی تھیں۔ عروج و زوال کی یہ تاریخ سوچنے والوں اور قلمکاروں کو دعوت دیتی ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے کہ عرب کے صحرائی دنیا پر چھا گئے اور پھر کہاں تقصیر سرزد ہوئی کہ مسلم دنیا کو آج کا دن دیکھنا پڑا؟

زیر نظر کتاب جو ڈاکٹر محمد امین صاحب کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے، اِسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قوموں کے عروج و زوال کا تذکرہ قرآن و سنت کی روشنی میں سلیس اور دلآویز انداز میں کیا ہے۔ مرض کی تشخیص کے ساتھ ساتھ اس کا علاج بھی تجویز کیا۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے:

پہلے باب میں قاری کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ انفرادی طور پر ہر مسلمان کی ترقی وعروج کے لیے اس کا اسلامی اصولوں پر عمل بہت ضروری ہے۔

اس کے بعد اِسی بنیادی اصول کے تحت وہ اپنے اس موقف کا ابلاغ کرنا چاہتے ہیں کہ قومی سطح

دوسرے باب میں محترم مؤلف نے قدرے تفصیل سے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ مسلمانوں کو جو عروج حاصل رہا ہے اس کی بنیاد کیا تھی۔ آخر کیونکر مسلمان ایک ہزار سال تک چار دانگ عالم میں ایک مضبوط ترین حکمران قوم کے طور پر رہے جس پر تاریخ شاہدِ عادل ہے۔

اس عروج اور تمکنت کو مصنف موصوف نے تین قسم کے وسائل کو اسلامی اصولوں کے مطابق عمل میں لانے کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان میں انسانی وسائل، نمونی وسائل اور مادی وسائل شامل ہیں۔ محنت، اتحاد، تنظیم، منصوبہ بندی، پابندی قانون اور ایثار و قربانی، انسانی وسائل کے طور پر ان کا شیوہ تھیں۔ اور تعلیم و تربیت، تحقیق (جس میں حریت فکر، غور و فکر اور مشاہدہ و تجربہ شامل ہیں) سیاسی استحکام اور حسن کلام پر وہ نمونی وسائل کے اعتبار سے عمل پیرا تھے۔ اسی طرح سائنس و ٹیکنالوجی، معاشی صلاحیت اور حربی قوت میں کمال مادی وسائل کے بہترین استعمال کا نتیجہ تھا۔ ان وسائل کے استعمال سے رونما ہونے والے نتائج کو مصنف نے قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت کیا ہے کہ جب مسلمانوں نے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو غلبہ دین سے سرفراز فرمایا۔

اس باب کے دوسرے حصے میں ان وسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں استعمال نہ کرنے کو مسلمانوں کے زوال کا سبب قرار دیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

> ''مسلمانوں کے زوال کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ان معروضی اصولوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے جو دنیوی ترقی و عروج کی الٰہی سنت پر مبنی ہیں اور ان معروضی اصولوں پر عمل کرنے پر وہ اس لیے قادر نہیں رہے کہ وہ اپنے نظریہ حیات (اسلام) سے وابستگی کھو چکے ہیں لہٰذا وہ ان امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں جو کسی بھی قوم کو نکبت اور ادبار کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں''۔ (صفحہ ۱۳۰)

اس باب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب پھر سے مسلمانوں کے عروج اور شوکت پارینہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور قاری کو اُمید دلاتے ہیں کہ اس کشتِ ویراں میں پھر سے بادبہاری آئے گی اور مسلمانوں کا چمن لہلہائے گا:

> ''یہ خدا وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے پکارو، میں سنوں گا۔ میری طرف پلٹو میں خوش آمدید کہوں گا، مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ میری نصرت طلب کرو میں تمہیں فتح دوں گا اور کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو میری نصرت کو روک سکے اور جو وعدہ کرتا ہے کہ تم پر میرا حق ہے کہ میں تمہاری مدد کروں، جو بالیقین کہتا ہے کہ تمہی غالب رہو گے اگر

زوال کے اسباب کو قلمبند کیا ہے۔ جہاں تک ان کے عروج کے اسباب کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی نظر میں مغرب نے بعینہٖ ان تینوں انسانی، نمونی، اور مادی وسائل کا صحیح استعمال کیا ہے جو مسلمانوں کے عروج کا بھی سبب تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کے عروج میں ان کا نظریہ حیات مغرب (غیر مسلموں) کے نظریہ حیات سے قطعاً مختلف ہے۔

آگے چل کر مغرب کے اسی غلط نظریہ حیات پر تنقید کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ ان مغربی اقوام کا عروج ابدی نہیں بلکہ ان کا زوال حتمی ہے۔ اور اس زوال کا پیش خیمہ بننے والے امور مثلاً قتل و خونریزی، ظلم و جبر، استحصال، جنسی انارکی، معاشرتی بگاڑ، نفع آوری کا خاتمہ اور اصلاحی قوتوں کی ناکامی، جو غلط نظریہ حیات کی بناء پر فساد فی الارض کے طور پر ظہور میں آتے ہیں کو امریکہ جیسے بڑے اور طاقتور حکمران ملک میں عام دیکھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب محترم زوال کے آغاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ امریکہ میں ۹/۱۱ کے بعد بہت سی ائر کمپنیاں بند ہوگئیں، انشورنس کمپنیوں کو اربوں ڈالر کا نقصان ہوا، بے روزگاری میں بے پناہ اضافہ ہوا اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ امریکی ایک سال میں نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، ڈالر کی قیمت میں کمی ہوئی، سونے اور پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ ہوا اور مزید یہ کہ جنگی اخراجات بھی بے پناہ بڑھ گئے ہیں جس کی بناء پر بجٹ میں بھی خسارہ کا سامنا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ اس زوال کو آخری دھکا کب لگے گا۔ اس کا فیصلہ اللہ رب العزت ہی نے کرنا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اس سے کیا کہ مغرب مقتدر رہے یا نہ رہے۔ ہمیں تو اپنی فکر کرنی ہے اور یہ سوچنا ہے کہ کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ مغرب کی جگہ لیں؟۔ (صفحہ ۲۲۳)

چوتھا باب حقیقت میں اس بنیادی مغز کی تشریح کرتا ہے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس کیا ہے اور کون سا لائحہ عمل اور حکمت عملی اختیار کرنا وقت کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں کیا اوامر مانع ہیں اور ان کا حل کیا ہے۔

اساس سے متعلق تو ان کا موقف بہت واضح ہے کہ وہ اسلام ہی ہے یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت۔ اس نظریے سے محکم وابستگی نہ صرف اس دنیا میں مسلم اُمت کی کامیابی اور عروج کی ضامن ہے (جیسا کہ ایک ہزار سال کا عرصہ گواہ ہے) بلکہ اس کے ہر فرد کے لیے آخرت میں بھی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔ آپ نے دنیاوی جاہ و جلال اور ظاہری و عارضی چمک کے حصول کے لیے اغیار کی تقلید پر کڑی تنقید کی ہے اور ایسے افراد کو جو منہ سے اسلام اسلام جپتے

محکم وابستگی۔ (صفحہ ۲۴۹)۔

اگلے صفحات میں تزکیہ نفس کے ذریعے افراد کی تیاری کو مصنف نے نشاۃ ثانیہ کی حکمت عملی سے تعبیر کرتے ہوئے ایک جامع اور آسان لائحہ عمل دیا ہے کہ اگر اسے اختیار کر لیا جائے تو اقتدار و عروج اور عزت و عظمت مسلم اُمہ کا مقدر بن جائیں گے۔ اس لائحہ عمل کی چیدہ چیدہ خصوصیات یہ ہیں:

اُمت میں مکمل اتحاد و یگانگت پیدا کی جائے اور تفرقے کو مکمل ختم کیا جائے۔ داخلی اور خارجی سیاست کو دین اسلام سے ہم آہنگ کیا جائے۔ دفاع کو ہر ممکن حد تک مضبوط بناتے ہوئے مسلمان ممالک ایک دوسرے کی مدد کریں۔ تعلیم و تربیت عام ہو۔ معیشت کا استحکام اور ترقی اس مادی دور میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے مگر اسے صرف وسائل کی حد تک رکھا جائے۔ حقیقی مقصد نہ بنایا جائے۔ قانون اور انصاف کو حتمی بالادستی دی جائے۔ دعوت و اصلاح کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے انفرادی اصلاح سے شروع کر کے اجتماعی دعوت دین کا اہتمام کیا جائے۔ میڈیا یعنی ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال کرتے ہوئے دینی حمیت و غیرت کو فروغ دیا جائے۔ اسے تعلیم و تربیت کے علاوہ انسان سازی جیسے مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جائے۔ اس کے ذریعے اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا مؤثر جواب دیا جائے۔ معاشرے میں غیر اسلامی تہذیبوں کو کسی صورت فروغ نہ ملے بلکہ اسلامی اصول و اقدار اور رسوم و رواج کو پذیرائی حاصل ہو، ورنہ مغرب تو چاہتا ہی یہ ہے کہ اسلام کو تہذیبی یلغار سے نیست و نابود کرے۔ اس کے علاوہ صحت کے شعبے پر خاص توجہ دیتے ہوئے مسلمان اپنے کسی بھائی کو لاچار نہ چھوڑیں کہ اسے اغیار سے مدد طلب کرنی پڑے۔ صنعت و حرفت اور زراعت کو اس قدر فروغ دیا جائے کہ مسلمان اپنی ضرورتوں میں خودکفیل ہو جائیں اور دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔

اور آخر میں بعض ایسے امور کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس ممکنہ اصلاح اور ترقی و عروج کی راہ میں رکاوٹ ہیں، ان میں سے بعض ہماری داخلی کمزوریاں ہیں اور بعض بیرونی مجبوریاں اور بعض عملی مانع بھی ہیں جو نشاۃ ثانیہ کے عمل میں مزاحمت کا سبب بنتے ہیں۔ مصنف نے ان اسباب کا حل پیش کرتے ہوئے بات کو یہاں ختم کیا ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ.

مصنف اُمت مسلمہ کی اس نشاۃ ثانیہ سے متعلق بہت پر اُمید ہیں جیسا کہ اقبال نے کہا تھا: ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا